بحث و نظر

تحقیق کے اصول و مناہج
اسلامی تناظر میں★

ڈاکٹر ظفر الاسلام

موجودہ زمانہ میں اسلام اور اسلامی نظام زندگی کو سمجھنے میں جو بڑھتی ہوئی دلچسپی پائی جاتی ہے اس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ زندگی کے مختلف مسائل میں اسلامی موقف معلوم کرنے کے ساتھ خود حصول علم کے ذرائع اور تحقیق کے مناہج پر اسلامی نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ علمی و تحقیقی کاوشوں کو اسلامی اصول و مناہج سے مرتبط کر کے انھیں انسانی فلاح و بہبود کے لیے مزید موثر و مفید بنایا جاسکے اور اس سے اہم یہ کہ انھیں اس مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جاسکے جو خالق کائنات کو تخلیق انسانی سے مطلوب ہے۔ یہ بڑی خوش آیند بات ہے کہ اس موضوع پر کتب و مضامین کی اشاعت کے علاوہ سمینار و مذاکرات میں بھی بحث و مباحثہ کی روایت قائم ہوگئی ہے۔ درحقیقت اس موضوع پر مختلف پہلوؤں سے اظہار خیال سے مقصد یہ ہے کہ اسلامی اصول و مناہج کی روشنی میں مختلف علوم و فنون کی تشکیل نو کے لیے راہیں ہموار کی جائیں اور امت کی ذہنی و فکری اصلاح کا سامان فراہم کیا جائے۔

تحقیق کے اسلامی اصول و آداب یا اسلام کے تصور تحقیق پر اظہار خیال کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تحقیق یا ریسرچ علم ہی کا ایک حصہ یا اس کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس لیے اسلام میں علم کا جو تصور پایا جاتا ہے اسی سے اس کا تصور تحقیق بھی منسلک ہے یہ اور بات ہے کہ دونوں کے حصول کے اصول و مناہج میں کچھ

★ یہ مقالہ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز (نئی دہلی) کے زیر اہتمام "منہاج تحقیق - اسلامی تناظر میں" کے موضوع پر نئی دہلی میں ۲۳ - ۲۵ فروری ۱۹۹۵ء کو منعقدہ سمینار میں پڑھا گیا تھا اسے یہاں کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے

فرق پایا جاتا ہے۔

تحقیق سے متعلق جو مسائل ہیں ان میں دو خاص اہمیت کے حامل ہیں ایک مقصد تحقیق، دوسرے ذرائع تحقیق۔ اس لیے اسلام کے تصور تحقیق کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان دونوں مسائل میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ کسی بھی چیز کے حصول کے لیے اسلام ذریعہ و مقصد دونوں کی صحت و صالحیت پر زور دیتا ہے اور اسلام کی نگاہ میں کسی بھی کام کی قدر و قیمت کا اندازہ اسی پیمانہ پر کیا جاتا ہے۔ مطالعہ و تحقیق کے باب میں بھی اسلام اسی نقطۂ نظر کا داعی ہے۔ وہ علم برائے علم یا تحقیق برائے تحقیق کا قائل نہیں بلکہ اس کی نظر میں یہ ایک اہم مقصد کے ساتھ مرتبط و منضبط ہے اور وہ یہ کہ اسے عظیم مقصد کے حصول کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ جسے اسلام نے حیات انسانی کے لیے متعین کیا ہے۔ اس مسلمہ حقیقت سے ہر مسلم باخبر ہے کہ قرآن و حدیث کی رو سے انسانی زندگی کا عظیم مقصد رضاء الٰہی اور اخروی فلاح کا حصول ہے اور اسلام اپنے تمام ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی تمام تگ و دو اور فکری و عملی کاوشیں اسی راہ میں صرف ہونی چاہییں۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے خدائے تعالیٰ نے جو طریقہ بتایا ہے اسے مختصراً حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے تحقیق کا اصل مقصد و منتہا یہ قرار پائے گا کہ اس سے ان حقوق کی ادائیگی کی راہیں ہموار ہوں۔ خود صاحب تحقیق کے لیے اور نتائج تحقیق سے فائدہ اٹھانے والوں کے لیے بھی۔ قرآن کریم کی جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے تکوینی کمالات، قدرت کے مظاہر اور فطرت کے عجائبات میں غور و فکر کی دعوت دی ہے ان کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ ان سب سے مقصود یہی ہے کہ خالق کائنات کے وجود، اس کی وحدانیت و قدرت کاملہ کا یقین اس کے دل میں ثبت کر جائے اور حقانیت و صداقت اس کے سامنے واضح ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ
وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ
لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ط
(حم السجدہ:۵۳)

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق
میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس
میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی
کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔

اسی حقیقت کو اس آیت میں بھی واضح کیا گیا ہے :-

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ	اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے
لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○	سامنے روشن کرتا ہے شاید تم ہدایت یاب
(آل عمران: ۱۰۳)	ہو جاؤ۔

ان آیات کی روشنی میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں جملہ علمی و تحقیقی کاوشوں سے مطلوب خدائے تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کرنا، کائنات و انسان کی حقیقت اور ان کی تخلیق کے اصل مقاصد کو سمجھنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور کائنات میں انسان کے خود اپنے مقام کی پہچان ہی سے انسان میں عبودیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، خالق کائنات سے تعلقات کی استواری کا داعیہ ابھرتا ہے اور مالک الملک کے احسانات پر شکر بجا لانے کا احساس جاگزیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں اہل علم یا علم والے وہ لوگ قرار پاتے ہیں جو خالق کائنات کی صحیح معرفت کے ساتھ کائنات کی حقیقت اور خود اپنی حیثیت سے بخوبی واقف ہوں جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات میں غور و فکر سے واضح ہوتا ہے جن میں " علم"، "جہل"، "عالمون"، "جاہلون"، "اولوالعلم"، "ذی علم" اور " الراسخون فی العلم" جیسے الفاظ مذکور ہوئے ہیں۔

حقوق العباد کی نسبت سے "تحقیق" کے مسئلہ پر غور کیا جائے تو اس کا مدعا یہ قرار پائے گا کہ تحقیقی صلاحیتوں اور کوششوں کو خلقِ خدا کے نفع کے لیے استعمال کیا جائے۔ تحقیق و تجربہ کے ذریعہ ایسے افکار و نظریات کی افادیت و معنویت ثابت کی جائے اور انھیں علمی انداز میں پیش کیا جائے جو انسانی زندگی کی تعمیر اور ایک صالح معاشرہ کے قیام کے لیے قرآن و حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی فلاح و بہبود کا سب سے اہم عنصر اس کی فکری اصلاح ہے لیکن بہتر اور خوش گوار زندگی نہ تو اسلام میں معیوب ہے اور نہ قابل نفریں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو مختلف پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ اس نے انسانوں کی بھلائی کے لیے اس دنیا کو مختلف قسم کی مخلوقات اور قدرتی وسائل سے معمور کر رکھا ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو:-

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ	وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے
مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ: ۲۹)	زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انھیں استعمال میں لانے کی صلاحیت اور ان پر قابو بھی عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ	اس نے زمین و آسمانوں کی ساری
وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ	چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا سب کچھ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ	اپنے پاس سے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں
(الجاثیہ: ۱۳)	ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

ان وسائل کو بروئے کار لانے اور زمین و آسمان میں قدرت کے چھپے ہوئے خزانوں کو قابل استعمال بنانے کے لیے تحقیق کاوشوں کو بخوبی صرف کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے قرآن کی نظر میں تحقیق کا ایک اہم مدعا یہ ٹھہرا کہ اسے انسان کے فائدے کے لیے بروئے کار لایا جائے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں علم کا ذکر آیا ہے اُن کے سیاق و سباق پر غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کی نگاہ میں وہی علم مستحسن و محمود ہے جو انسانیت کے لیے نفع بخش ہو۔ خود حدیث شریف سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نافع کے لیے دعا کی تلقین فرمائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں علم مجرد کوئی معنی نہیں رکھتا۔

یہاں یہ ذکر بھی بے موقع نہ ہوگا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ریسرچ کو بامعنی و بامقصد بنانے کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ اس کے لیے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا جائے جو سماج و معاشرت کے مسائل سے مرتبط ہوں اور نتائجِ تحقیق کسی نہ کسی پہلو سے انسان کے لیے مفید ثابت ہوں۔ مزید براں قرآن سے یہ بھی ثابت ہے کہ انسانی علم محدود ہے۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ تمام تر علمی ترقیوں اور سائنسی تحقیقات کے باوجود بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن تک انسان کی رسائی ممکن نہیں اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے دائرہ علم میں آتی ہیں۔ قرآن کی یہ آیت اسی حقیقت کی شاہد ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ	اور یہ لوگ تم سے روح کے متعلق
الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ	پوچھتے ہیں کہو یہ روح میرے رب کے
مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا	حکم سے آتی ہے۔ مگر تم لوگوں نے علم سے
(بنی اسرائیل: ۸۵)	کم ہی بہرہ پایا ہے۔

اس لیے اسلام کی رو سے تحقیق کے لیے ایسے موضوعات کو اختیار کرنا صحیح نہ ہوگا جو انسان کے دائرہ علم سے باہر ہیں بلکہ ایسی باتوں کو تحقیق کا موضوع بنانا وقت کا ضیاع ہوگا جو صرف خدائے تعالیٰ کے علم و ادراک میں آتی ہیں یا جن کا تعلق متشابہات سے ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں علمی اعتبار سے پختہ لوگوں کی صفت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ متشابہات کی ادھیڑ بن میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع نہیں کرتے بلکہ ان کی اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرکے ان پر "آمنا وصدقنا" کہتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ
زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ
تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ
اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ
فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ
اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝
(آلِ عمران : ۷)

رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنہ کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا بخلاف اس کے جو لوگ پختہ علم والے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانشمند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔

سورۂ نساء میں بھی اسی حقیقت کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے :

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ
مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ
اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ
وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِیْهِمْ
اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (النساء : ۱۶۲)

لیکن راسخون فی العلم اور مومنین اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور آپ سے پہلے اتارا گیا اور نماز قائم کرنے والے، زکوٰۃ ادا کرنے والے اور اللہ ویوم آخرت پر ایمان لانے والے۔ ان سب کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔

جہاں تک ماخذ تحقیق کا تعلق ہے اسلام میں اس ضمن میں قرآن کریم کو اولین د

اہم ترین حیثیت حاصل ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ قرآن مجید سرچشمۂ رشد وہدایت اور منبع علوم ومعارف ہے۔ بلا استثناء انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس سے متعلق اس عظیم کتاب میں رہنمائی کا سامان موجود نہ ہو۔ قرآن نے خود اپنے جو اوصاف بیان کیے ہیں ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ سراپا ہدایت ہے۔ اس امتیازی وصف کو قرآن میں کہیں "ہدی للمتقین" "ہدی للمؤمنین" یا ہدی للمسلمین" کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اور کہیں "ہدی للناس" کے عمومی انداز میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کتاب ہدایت سے نہ صرف یہ کہ مختلف سائنسی وسماجی علوم سے متعلق فکری مواد فراہم ہوتا ہے بلکہ حصول علم کے اصول وآداب اور مناہج تحقیق کی جانب اس سے رہنمائی بھی ملتی ہے۔ اس لیے کسی بھی موضوع پر تحقیقی کاوش شروع کرتے وقت پہلے یہ ضروری ہوگا کہ اس سے متعلق قرآن کا نقطۂ نظر اور اپروچ معلوم کیا جائے۔ دوسرے یہ دیکھا جائے کہ قرآن کریم سے مواد کی تحقیق وتفتیش، نظریات ومفروضات کی جانچ، معلومات کی صحت وعدم صحت کی پرکھ اور واقعات کے تجزیہ ونتائج اخذ کرنے کے کیا اصول وضوابط متعین ہوتے ہیں اور پھر ان کی روشنی میں تحقیقی کام کو آگے بڑھایا جائے۔

قرآن مجید سے یہ صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ سمع وبصر وقلب علم کے تین معروف ذرائع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ	اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے
اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا	پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ
وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ	جانتے نہ تھے اس نے تمہیں کان دیے
وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝	آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیے،
(النحل : ۷۸)	اس لیے تاکہ تم شکر گزار ہو۔

اس لیے قرآن نے ان چیزوں کے پیچھے نہ پڑنے کا حکم دیا ہے جن کی جانکاری ان ذرائع کے صحیح استعمال سے نہ حاصل ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے :-

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ	کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ پڑ جس کا
عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ	تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ، کان، دل سبھی
كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝	کی باز پرس ہونی ہے۔
(بنی اسرائیل : ۳۶)	

مزید براں قرآن کی نگاہ میں وہ لوگ گمراہ ترین ہیں جو ان ذرائع علم کو صحیح طور پر استعمال نہ کرکے اپنے خالق و مالک کو پہچانتے اور خود اپنی حقیقت کے ادراک سے قاصر رہتے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن کا واضح بیان ملاحظہ ہو:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ	ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں
بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ	ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں،
بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ	ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں،
بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ	وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے
أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ (اعراف: ۱۷۹)	یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے ہوئے ہیں

اگر علم کے مرحلہ سے آگے بڑھ کر تحقیق کے میدان میں قدم رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہاں بھی یہی تین چیزیں حقائق تک پہنچنے یا کسی چیز کے ثابت کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ محقق اپنے خیالات و نظریات یا مباحث تحقیق کو ذاتی مشاہدہ و تجربہ کی روشنی میں ثابت کرتا ہے یا سمع و بصر کی مدد سے دوسروں کے مشاہدات و نتائج فکر سے اپنے لیے رہنمائی حاصل کرتا ہے اور پھر اپنے دل و دماغ کو استعمال کرتے ہوئے جمع کردہ مواد اور تجربات سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اور تحقیق کا ماحصل پیش کرتا ہے۔ اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے ریسرچ و تحقیق کا مطلب یہ ہوگا کہ علم و تحقیق کے ذرائع کو صحیح طور پر اور دیانت داری کے ساتھ استعمال کیا جائے خواہ تحقیق کے لیے مواد جمع کرنے کا مرحلہ ہو یا ان کا تجزیہ کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے کی منزل ہو۔

تحقیق کے مآخذ پر بحث کرتے ہوئے یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ اسلام میں ذرائع معلومات کی چھان بین کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ اس نے ان معلومات کی جانچ پرکھ پر خاص زور دیا ہے جو دوسروں سے سن کر یا روایۃً و نقلاً حاصل ہوں۔ اسلام کی رو سے کسی بھی روایت یا خبر کو قبول کرنے سے قبل ان لوگوں کے اخلاق و کردار اور عادت و سیرت کے بارے میں پتہ لگانا ضروری ہے جن سے یہ روایت یا خبر پہنچی ہو۔ قرآن کریم سے اس خبر کی چھان بین اور اس کی قبولیت میں حد درجہ احتیاط کی ہدایت ملتی ہے جس کا واسطہ بدکردار لوگ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اگر کوئی

جَآءَ کُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۝ (الحجرات : ۶)

فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ نتائجِ تحقیق کی صحت کافی حد تک علم و تحقیق کے ذرائع کی چھان بین پر منحصر ہوتی ہے اس لیے اسلام کی رو سے وہی تحقیقی کام قابلِ اعتبار و لائقِ استناد ہوگا جو ذرائعِ علم کے ٹھیک ٹھیک استعمال اور مآخذ کے ناقدانہ استفادہ پر مبنی ہو۔

تحقیق میں مآخذ کے صحیح انتخاب اور ان کے ناقدانہ استعمال کے ساتھ دلائل و شواہد کو بھی خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ "تحقیق" کے اہم عناصر میں شامل ہیں بلکہ انھیں ماخذ کا حصہ قرار دینا غلط نہ ہوگا۔ قرآن کریم کی نظر میں کسی بات کے ثبوت کے لیے دلائل و شواہد کو کس قدر اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کوئی بھی دعویٰ بلا دلیل نہیں پیش کرتا بلکہ وہ ایک بات کے ثبوت میں ایک دو نہیں متعدد دلائل و شواہد مختلف اسلوب میں سامنے لاتا ہے۔ توحید، رسالت و آخرت سے متعلق آیات بالخصوص اس کی شاہد ہیں، اسی طرح وہ اپنی دعوت کے مخالفین و معاندین سے بار بار مطالبہ کرتا ہے کہ ان کے اپنے مزعومات و نظریات کی تائید میں کوئی ثبوت یا دلیل ہو تو پیش کریں۔ قرآنِ کریم کا یہ مطالبہ مختلف مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے، مثال کے لیے ایک آیت ملاحظہ ہو:

قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ (البقرہ:۱۱۱)

ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

دلائل و شواہد کی اہمیت کے بارے میں قرآن کا نقطۂ نظر اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ فی نفسہٖ ثبوت و شہادت ہی کو علم سے تعبیر کرتا ہے۔ کفار و مشرکین کے بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات کی تردید کرتے ہوئے قرآن چیلنج کرتا ہے:

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ۝ (الانعام : ۱۴۹)

ان سے کہو کیا تمہارے پاس کوئی علم (ثبوت) ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو تم محض گمان پر چل رہے ہو اور نری قیاس آرائیاں کرتے ہو۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر شہادت وثبوت کے قرآن کی نگاہ میں علم کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ مزید براں قرآن ان نظریات وخیالات کو جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے یا جن کی تائید میں کوئی ثبوت ودلیل پیش نہیں کیا جاتا "جہل" سے تعبیر کرتا ہے یا انھیں محض "ظن وتخمین" کا نام دیتا ہے۔ مذکورہ آیت کے علاوہ اس آیت سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے :۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ	اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں
لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ	اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں
عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج	مبتلا ہیں ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی
(النساء : ۱۵۷)	علم نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں کسی چیز کے علم کے معیار تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دلائل وشواہد سے مزین ہو۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تحقیق کے لیے جو علم کی ترقی یافتہ شکل ہے دلائل وشواہد کی کس قدر اہمیت ہوگی۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی اصول تحقیق میں نہ صرف دلائل وشواہد کی فراہمی اہمیت رکھتی ہے بلکہ یہ بات بھی کچھ اہم نہیں ہے کہ کسی بھی موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے جو بھی شواہد دستیاب ہوں انھیں بلا کم وکاست سامنے لایا جائے اور اس میں کسی قسم کے اعراض یا کتمان سے کام نہ لیا جائے خواہ کوئی ثبوت یا دلیل کسی امر میں محقق کے اپنے مفروضہ یا خیال کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کریم میں نہ صرف حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی ممانعت آئی ہے بلکہ حقائق کی پردہ پوشی اور شہادت کے اخفاء کی بھی سخت نہی آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد ہے :

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ	اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ
وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝	کرو اور حق کو نہ چھپاؤ دراں حالیکہ تم اس کا
(البقرہ : ۴۲)	علم رکھتے ہو

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

ولا تکتموا الشھادۃ ومن	اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ جو شہادت
یکتمھا فانہ اثم قلبہ واللہ	چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے

بما تعملون علیم (البقرہ : ۲۸۳) اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

قرآن کریم میں عدل و انصاف کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ شہادت کی فراہمی اور اس کے اظہار میں کسی قسم کی پہلو تہی نہ کی جائے اور نہ اس معاملہ میں اپنی پسندیدگی و ناپسندیدگی کو دخل دیا جائے۔ اس باب میں قرآن کریم کا موقف اتنا سخت ہے کہ وہ دشمن کے ساتھ بھی ناانصافی اور غیر عادلانہ رویہ کو گوارا نہیں کرتا اور وہ صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ اظہارِ حق اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کسی شخص کی دشمنی آڑے نہیں آنی چاہیے۔ ارشادِ ربانی ہے:-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا	اے ایمان والو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے
قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ	اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ	تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ عدل
أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ	کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا
لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ	ہے اور اللہ سے ڈرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ
بِمَا تَعْمَلُونَ ٥ (المائدہ : ۸)	اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

اس سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کوئی ثبوت یا شہادت محقق کے اپنے نقطۂ نظر یا موقف کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اسے منظرِ عام پر لانے میں دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات اس سیاق میں کافی اہمیت رکھتی ہے کہ آج کل کے بہت سے محققین اپنے اختیار کردہ موضوع کے لیے مواد جمع کرنے اور شواہد کی فراہمی میں انتخابی طریقہ (Selective way) اختیار کرتے ہیں اور اپنی پسند و ناپسند کی بنیاد پر صرف اسی مواد کو جمع کرتے اور وہی شواہد فراہم کرتے ہیں جس سے ان کی رائے کی تائید اور ان کے موقف کی حمایت ہوتی ہو اپنے نقطۂ نظر کے مخالف شواہد و دلائل چھوڑ دیتے ہیں یا ان سے اعراض کر جاتے ہیں۔ دلائل و شواہد کے باب میں یہ "انتخابی رویہ" یقیناً عدل و انصاف کے تقاضوں کے خلاف اور اسلامی اصول تحقیق کے منافی ہے۔

اب یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کسی بات کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم نے کس نوع کے دلائل و شواہد استعمال کیے ہیں اور ان کی روشنی میں تحقیق کے میدان میں استدلال کے کیا کیا طریقے متعین کیے جا سکتے ہیں، قرآنِ کریم پر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت کھل

کر سامنے آئے گی کہ قرآن نے اپنے دعووں کے ثبوت اور اپنے افکار و نظریات کی تائید میں مختلف قسم کے دلائل و شواہد پیش کیے ہیں اور یہ کہ اس نے مشاہداتی و واقعاتی ثبوت کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ قرآن کریم میں ایک دو جگہ نہیں بلکہ سینکڑوں مقامات پر اللہ تعالیٰ کے تخلیقی و تکوینی مظاہر اور اس کی قدرت کے عجائبات پیش کر کے انسان کو مشاہدہ کی دعوت دی گئی ہے تاکہ ان کے دلوں میں قرآنی حقائق جاگزیں ہو جائیں اور وہ قرآن کی دعوت پر ایمان لانے والے بن جائیں۔ ان مواقع پر قرآن مجید نے الم تر، الم تروا، الم یروا اور الم یر وا (کیا تم نے نہیں دیکھا، کیا تم لوگوں نے مشاہدہ نہیں کیا، کیا اسے دکھائی نہیں دیا، کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا) جیسے مختلف انداز بیان اختیار کیے ہیں۔ مزید براں قرآن کریم نے جہاں جہاں مثالوں کے ذریعہ شواہد یا واقعاتی ثبوت پیش کیے ہیں ان سے مقصود صرف ان کا مشاہدہ یا معائنہ نہیں بلکہ ان میں تدبر و تفکر بھی مطلوب ہے۔ قرآن کریم نے گزری ہوئی قوموں کے حالات اور قدرت کے بے شمار مظاہر ذکر کر کے ان میں غور و فکر کی بار بار دعوت دی ہے تاکہ اس کی روشنی میں انسان خود یہ نتیجہ نکالے کہ قرآن جو دعوت دے رہا ہے وہ برحق ہے کہ نہیں اور یہ کتاب عظیم جو حقائق بیان کر رہی ہے وہ قابل قبول ہیں کہ نہیں۔

متعدد مواقع پر قرآن کے مباحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بات کو ثابت کرنے کے لیے استنباطی طریقہ (Deductive Method) اختیار کیا جا سکتا ہے قرآن کریم کا یہ انداز بیان اور طرز استدلال توحید، رسالت، بعث بعد الموت اور آخرت کے ضمن میں خاص طور سے نمایاں نظر آتا ہے۔ توحید کے ثبوت میں قرآن کے پیش کردہ دیگر شواہد کے علاوہ یہ استدلال ملاحظہ ہو:۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔	اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے معبود بھی ہوتے تو دونوں (زمین، آسمان) کا نظام بگڑ جاتا۔
(الانبیاء: ۲۲)	

اسی طرح بعث بعد الموت کے ثبوت میں قرآن مختلف انداز میں استدلال کرتا ہے اور ان میں سب سے معروف یہ ہے کہ وہ خلق اول سے خلق ثانی پر دلیل پیش کرتا ہے۔ وہ لوگ جو انسان کے مر جانے اور اس کی ہڈیوں کے سڑ گل جانے کے بعد دوبارہ روز قیامت اس کے پیدا کیے جانے پر حیرت و استعجاب ظاہر کرتے ہیں ان سے قرآن مخاطب

ہوکر کہتا ہے کہ جس ذات قادر مطلق نے انسان کو پہلی بار وجود بخشا اور جو اسے عدم سے وجود میں لایا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ دوبارہ اسے زندگی عطا کرے :۔

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝ (یٰسٓ: ۷۸-۷۹)	(منکرین آخرت) کہتے ہیں کہ جب ہم بوسیدہ ہڈی ہو جائیں گے تو پھر ان ہڈیوں کو کون زندگی عطا کرے گا۔ کہہ دو (اے محمد) کہ وہی ہستی اسے زندگی دے گی جس نے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور وہ ہر ایک (طریقہ) تخلیق کا بخوبی علم رکھتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن کا یہی طرز استدلال اور دیکھا جا سکتا ہے :۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ (بنی اسرائیل: ۴۹-۵۱)	اور وہ کہتے ہیں جب ہم صرف ہڈیاں اور خاک ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے ان سے کہو تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ یا اس سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز جو تمہارے ذہن میں قبول حیات سے بعید تر ہو (پھر بھی تم اٹھ کر رہو گے) وہ ضرور پوچھیں گے کون ہے وہ جو ہمیں پھر زندگی کی طرف پلٹا کر لائے گا جواب میں کہو وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا۔

اس نوع کی آیات کریمہ سے قرآن کریم یہ حقیقت گوش گزار کرانا چاہتا ہے کہ انسان خود غور کرے اور نتیجہ نکالے کہ اللہ تعالیٰ جس نے انسان کو وجود اول بخشا کیا وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ اس کے مردہ جسم میں روح ڈال کر دوبارہ اسے زندہ کھڑا کرے۔ کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے یا مخاطب کے ذہن میں کسی بات کو بٹھانے کے لیے یہ انداز استدلال احادیث میں بھی جا بجا اختیار کیا گیا ہے۔ مثال کے لیے چند احادیث ملاحظہ ہوں: حدیث کے مختلف معروف ذخائر میں حج اور مناسک کے ابواب میں ــــ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت

منقول ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ میرے باپ پر حج فرض ہوگیا ہے لیکن وہ بہت بوڑھے ہوگئے ہیں سواری پر نہیں ٹھہر سکتے اگر میں انھیں سواری پر باندھتا ہوں تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مر نہ جائیں کیا میں ان کی جانب سے حج کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا اگر ان پر قرض ہوتا اور تو اسے ادا کرتا تو کیا وہ ادا نہ ہوتا۔ اس نے عرض کیا ضرور ادا ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا تو تو اپنے باپ کی جانب سے حج کر۔

امام مالک نے موطا میں یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عبداللہ بن عمرو الحضرمی اپنے غلام کو پکڑ کر لائے اور کہا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے اس لیے کہ اس نے چوری کی ہے حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اس نے کیا چرایا ہے انھوں نے عرض کیا کہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دیجئے اس پر قطع ید نہیں ہے (اس لیے کہ) تمہارے غلام نے تمہارا ہی سامان چرایا ہے۔ یعنی دونوں تمہاری ملکیت ہیں اس لیے اس صورت میں قطع ید نہ ہوگا۔ ان تفصیلات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث دونوں میں کسی بات کو ثابت یا واضح کرنے کے لیے استنباطی یا استقرائی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اصول فقہ میں بھی قیاس کا پورا نظام استدلالی و استنباطی منہج پر مبنی ہے جس کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں۔

استنباطی و استقرائی منہج کے علاوہ قرآن کریم سے جس دوسرے معروف اصول تحقیق کا ثبوت ملتا ہے وہ تجرباتی عمل (Empirical Process) ہے۔ اس کی مختصر وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے دنیا میں کوئی چیز عبث و بیکار نہیں پیدا کی ہے۔ یعنی دنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں ان میں انسان کے لیے کوئی نہ کوئی منفعت مضمر ہے یا ان کا کوئی نہ کوئی استعمال ضرور موجود ہے۔ قرآن کی یہ آیات اسی حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں :۔

وماخلقنا السموٰت و	آسمان وزمین اور ان کے درمیان
الارض وما بینھما لٰعبین	کی چیزیں ہم نے کچھ کھیل کے طور پر نہیں
وما خلقنٰھما الا بالحق ولکن	بنادی ہیں ان کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے مگر
اکثرھم لایعلمون (الدخان: ۳۸-۳۹)	ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔
وماخلقنا السماء والارض	ہم نے آسمان وزمین اور ان کے

وما بینھما باطلاً ذالک	درمیان کی چیزیں عبث نہیں پیدا کی ہیں
ظن الذین کفروا	یہ ان لوگوں کا بیان ہے جنھوں نے
(ص: ۲۷)	کفر کیا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ زمین و آسمان اور ان کے مابین پائی جانے والی کوئی چیز عبث و بیکار نہیں ہے تو اب یہ سوال ابھرتا ہے کہ ان چیزوں کی ماہیت و افادیت کیسے معلوم کی جائے جبکہ تمام اشیاء کے استعمال کا طریقہ واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے اس کے لیے ضروری ہوگا کہ تجرباتی عمل اختیار کیا جائے اور اس کی روشنی میں اشیاء کے حقائق، خواص و اثرات معلوم کیے جائیں، دوسرے یہ کہ قرآن نے جن چیزوں کی تخلیق کے فوائد واضح کیے ہیں۔ ان کے کماحقہ حصول کے لیے بھی تحقیق و تجربہ کی راہوں سے گزرنا لازمی ہے مثال کے طور پر قرآن نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند پیدا کیے اور انھیں روشنی کا ذریعہ بنایا۔ ان کے منازل متعین کیے تاکہ انسان ان کی مدد سے سال کا شمار کرسکے اور حساب کتاب کرسکے:۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ	اور وہی ہے جس نے سورج کو اجیالا
ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ	بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند کے
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ	گھٹنے بڑھنے کی منزلیں متعین کیں تاکہ تم ان
وَالْحِسَابَ	سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم
(یونس: ۵)	کرسکو۔

اس سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو کہ سورج و چاند سے یہ فوائد بالخصوص برسوں کا شمار اور تاریخ کا تعین صحیح معنوں میں اسی وقت حاصل ہوسکتے تھے جب انسان تحقیق کی گہرائیوں میں غوطہ لگائے اور تجربات کی راہوں سے گزرے اور موجودہ زمانہ کی سائنسی ترقیات گواہ ہیں کہ انسان اسی راہ سے آسمان و زمین میں پائی جانے والی مختلف چیزوں سے بہتر سے بہتر فوائد حاصل کرتا رہتا ہے۔ مزید براں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا قرآن سے یہ بھی ثابت ہے کہ زمین و آسمان میں قدرت کے بے شمار خزانے چھپے ہوئے ہیں اور یہ وسائل قدرت انسان ہی کی راحت رسانی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اپنی علمی کوششوں اور تحقیق و تجربی کاوشوں سے ان کی جانکاری حاصل کرے، ان کے استعمال کے طریقوں کا پتہ لگانے

اور ان کے فوائد سے بہرہ ور ہو۔ قرآن میں بحر (سمندر) کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ الْبَحْرَ	اور وہی ہے جس نے تمہارے
لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا	لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس
وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً	سے تر و تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور
تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ	اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنھیں
مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ	تم پہنا کرتے ہو اور تم اپنے رب کا فضل
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○	تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔

(النحل : ۱۴)

اس آیت میں سمندر کے منافع کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے لیکن کیا کوئی اس سے اختلاف کر سکتا ہے کہ یہ منافع صحیح معنوں میں اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب انسان اپنی صلاحیت واستعداد سے کام لے کر سمندر میں پائی جانے والی چیزوں کا پتہ لگائے اور تحقیق وتجربہ کی مدد سے انھیں اس قابل بنائے کہ انھیں مختلف کاموں میں استعمال کیا جا سکے بعض احادیث سے دنیاوی امور میں تجربی عمل کی اہمیت وافادیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ حدیث بہت مشہور ہے جو صحیح مسلم (کتاب الفضائل) کے علاوہ دیگر مجموعوں میں بھی مروی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھجور کے نر درخت کا بعض حصہ کاٹ کر مادہ درخت میں لگا رہے ہیں (یابرون اویلقحون النخل) تو آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس سے کچھ فائدہ نہیں اگر ایسا نہ کیا جائے تو بہتر ہے آپ کے اس کہنے پر لوگوں نے اس عمل کو چھوڑ دیا لیکن جب آپ کو لوگوں کے تجربات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ تلقیح نخل منفعت سے خالی نہیں اس لیے کہ اس سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے پیداوار میں کمی ہو گئی ہے تو آپ نے صاف طور پر اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مختصر یہ کہ قرآن و حدیث دونوں سے تجربات کی اہمیت وافادیت کا ثبوت ملتا ہے اور یہ محتاج بیان نہیں کہ سائنسی علوم سے متعلق تحقیقات میں تو تجربی عمل بہر صورت ناگزیر ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی مختلف النوع مخلوقات کو انسانوں کے لیے صحیح معنوں میں اسی وقت قابل استعمال

اور مفید بنایا جا سکتا ہے جب تحقیق و تجربہ کی راہ اختیار کی جائے اور نئے نئے اکتشافات و انکشافات روبعمل لائے جائیں۔ مزید براں انسان کے لیے تسخیر کائنات کے فوائد کا حصول بھی کافی حد تک تحقیقات و تجربات پر منحصر ہے۔

تحقیق کے میدان میں تجربات و تجربی عمل کی معنویت و افادیت کے ساتھ قرآن کریم سے یہ ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ کسی نظریہ یا مفروضہ کی صحت کو جانچنے یا کسی چیز کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کے لیے تجربہ کے عمل کو بار بار دھرایا جا سکتا ہے۔ غور کیجیے اللہ تعالیٰ کائنات و اشیاء کائنات کی تخلیق میں کمال و تناسب ثابت کرنے کے لیے انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بار بار ان چیزوں پر نظر ڈالیں۔ اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے گی۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا	وہی ہے جس نے تہ بتہ سات آسمان
مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ	بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی
فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ	بے ربطی نہ پاؤگے، پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں
ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ	کوئی خلل نظر آتا ہے بار بار نگاہ دوڑاؤ تمہاری
اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ (ملک ۳،۴)	نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔

یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تحقیق کے مواد اور اصول و مناہج میں یکسانیت کے باوجود دو یا دو سے زائد محققین کے نتائج میں اختلاف یا ان میں سے کسی ایک کی تحقیق کا غلط ثابت ہونا اسلامی نقطۂ نظر سے غیر متوقع و معیوب نہیں، اس پر دلیل فقہ اسلامی کے اصول اجتہاد سے فراہم کی جا سکتی ہے۔ مجتہدین کے نتائج میں اختلاف اور اجتہاد میں صواب و خطا کے امکان کو نہ صرف تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ دونوں صورتوں میں مجتہد کی کوشش کو مستحق ثواب سمجھا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد صحاح ستہ میں کتاب الاقضیہ کے تحت) مروی وہ مشہور حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مجتہد کا اجتہاد اگر صحیح ہوتا ہے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر وہ غلط ثابت ہوتا ہے تو بھی وہ کم از کم ایک اجر کا مستحق ضرور ہوتا ہے۔ اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی اصول و مناہج کے مطابق تحقیق کرنے والوں کی کاوشوں اور ان کے عملی تجربات کو نتائج کے اختلاف اور غلطی کے امکان کے باوجود مستحسن سمجھا جائے گا۔